لئیق رضوی

ابن صفی اور سماجی سروکار

ناول، عصری زندگی کا رزمیہ ہے۔ فرد اور سماج کے سب سے واضح اور متحرک عکس یہیں نظر آتے ہیں۔ زندگی ناول کی اساس ہے اور کسوٹی بھی۔ لیکن کسی بھی ناول کی اہمیت صرف اس سے طے نہیں ہوتی کہ اس میں زندگی اور اس کے تجربوں کے کتنے سچے رنگ وروپ ہیں، بلکہ دیکھا یہ جانا چاہیے کہ اس میں زندگی کے کتنے سبق پوشیدہ ہیں۔ یہ قاری کے احساسات کو کتنا مہمیز کرتا ہے۔ وقت کی چال کو سمجھنے اور درپیش چیلنجز سے مقابلے کے لیے اسے کتنا تیار کرتا ہے۔ ابن صفی کے ناول اس کسوٹی پر بھی کھرے اترتے ہیں۔

ابن صفی کی ناول نگاری (۱۹۵۲۔۱۹۸۰) تقریباً ۲۸ برسوں پر محیط ہے۔ یہ زمانہ، برصغیر کی تاریخ کا انتہائی نازک دور ہے۔ ملک کے ساتھ، دل بھی ٹوٹ گئے تھے۔ تھوپی گئی ہجرت، فسادات سے چور جسم وجاں اور تیزی سے بدلتے وقت کے ساتھ چلنے کا دباؤ، اس دباؤ میں بنتا، بگڑتا سماج، روز بروز بڑھتی الجھنیں اور بدعنوانیاں، پیر پسارتا کرپشن، کرائم اور اقتدار کے لیے چالیں اور سازشیں۔ عالمی سطح پر بھی بڑی اتھل، پتھل تھی۔ سپر پاور ثابت کرنے کی ہوڑ میں بڑی طاقتیں، کچھ بھی کر گزرنے کو بے قرار۔ ابن صفی نے وقت کی ہر چال اور آہٹ کو پکڑنے کی کوشش کی، اور جہاں بھی، جتنا بھی موقع ملا، خلاقانہ مہارت سے ساتھ اپنے ناول کا حصہ بنالیا۔

ابن صفی سے قبل، اردو میں جاسوسی ناول کے نام پر جو اور جتنا بھی لکھا گیا، اس کا اصل اور کل مقصد، کہیں نہ کہیں تفریح ہی تھا، لیکن سبق کے پہلو ابھار کر انھوں نے جاسوسی ناول کو ایک نیا چہرہ دیا۔ ابن صفی نے ۲۴۶ جاسوسی ناول یادگار چھوڑے ہیں۔ ہر مہینے، سوا مہینے میں ایک نیا ناول لکھنا مزاق نہیں۔ اس دباؤ کا اثر، ان پر بھی ہوا، لیکن ان کے بیشتر ناول فن اور فکر، دونوں سطحوں پر کامیاب نظر آتے ہیں۔ انھوں نے فرد اور سماج کو ایک خاص، صورت حال میں دیکھنے اور سمجھنے کی جستجو کی ہے۔ ان میں زندگی کی مکمل تصویر نہ بھی سہی، لیکن ان میں زندگی کے بہت سے رنگ بخوبی نظر آتے ہیں۔ ایسے سچے اور زندہ رنگ، جو شعور کو متحرک کر دیں۔ جاسوسی ادب کی اپنی حدیں ہیں اور مطالبات بھی، لیکن ابن صفی، کا کمال

96/B-3، اراولی، سیکٹر 34، نوئیڈا، یوپی

یہ ہے کہ جرم اور مجرموں کے چہرے بے نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ، تفتیش کے بہانے ہاتھ آئے، زندگی اور سماج کے دیگر سیاہ، سفید پہلوؤں کو بھی وہ آئینہ دکھاتے چلتے ہیں۔

جاسوسی ناول نگاری، دودھاری تلوار پر چلنے کا نام ہے۔ قلم کی ذرا سی لغزش جرم اور مجرم کو گلیمرائز کر سکتی ہے، لیکن ابن صفی نے اس کٹھن ڈگر پر بھی قدم قدم پر اپنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ خیالی کہانیوں اور کرداروں کو انھوں نے اس فنکاری سے وضع کیا ہے کہ ان میں حقیقت کے رنگ بھی جھلکتے ہیں۔ ابن صفی، اپنی کہانی کو، پراسرار راہوں اور بعض اندھے موڑوں سے گزارتے ہوئے یوں کلائمکس تک لاتے ہیں کہ قاری، قدم قدم پر ٹھٹک کر سوچنے کو مجبور ہو جاتا ہے۔ ان کے ناول، جرم سے نفرت سکھاتے ہیں، مجرم کی سازشوں سے آگاہ کرتے ہیں اور یہ بھروسا بھی دلاتے ہیں کہ جرم اور مجرم کا انجام، بہر حال شکست ہی ہے۔ جیت، آخر کار امن اور قانون کی ہی ہوتی ہے۔ دیر ہو سکتی ہے مگر اندھیر نہیں۔

''دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ قدرت خود ہی اسے اس کے مناسب انجام کی طرف ڈھکیلتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت کے نیچے آرام کی نیند نہ سو سکو۔ زمین پر فتنوں کے علاوہ کچھ نہ اگے۔'' (ہیروں کا فریب)

ابن صفی نے، جاسوسی ناول کو بڑا وژن دیا۔ اسے، زندگی کے فلسفے اور سماجی شعور سے جوڑا۔ پُراسرار اور سنسنی خیز وادیوں میں، محض تفریحی ہچکولے کھلانے کے بجائے انھوں نے عام طور پر قاری کو جرم کی پرت در پرت سچائیوں سے روبرو کرانے کی جستجو کی ہے۔ تفتیش اور مجرم کی تلاش میں کھو جانے کے بجائے، وہ ان سوتوں کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں، جو لگاتار جرم اور مجرم اگل رہے ہیں۔

''میں جب بھی کسی مجرم کو قانون کے حوالے کرنے لگتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا اب ہمیں مجرموں سے پناہ مل جائے گی۔ کیا مجرموں کو سزا دینے سے وہ برائی مٹ جائے گی جس میں مبتلا ہو کر یہ پھانسی کے تختے کی طرف آتے ہیں۔ اب تک کروڑوں قاتل سزائے موت پا چکے ہوں گے لیکن کیا اب قتل نہیں ہوتے۔ کیا مجرموں کی تعداد کم ہو گئی ہے؟۔۔۔ اس کا حل شروع سے ہی موجود تھا لیکن اس طرف کسی نے دھیان ہی نہیں دیا۔۔۔ بروں سے زیادہ برائی کی طرف دھیان دیا جائے۔ یہ سوچا جائے کہ آخر جرم کیے ہی کیوں جاتے ہیں۔ کیوں نہ سماجی زندگی کو اس معیار پر لایا جائے کہ جہاں جرم کا کوئی سوال ہی نہ رہ جائے۔۔۔ ہم جو بھی کرتے ہیں اپنی آسودگی کے لیے کرتے ہیں۔ اگر سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں جن کے تحت ہم اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیے آسانی سے جائز طریقے اختیار کر سکیں تو پھر ہمیں انھیں خواہشات کو آسودہ رکھنے کے لیے ناجائز راستوں پر جانے کی ضرورت نہ پڑے گی''

(خطرناک بوڑھا)

''جس معاشرے کے افراد مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں، وہیں جرائم کی گرم بازاری بھی ہو

جاتی ہے۔'' (گارڈ کا اغوا)

ابن صفی، جرم کی نفسیاتی پڑتال بھی کرتے ہیں۔ان کی نظریں، انسانی کمزوریوں اور مجبوریوں پر بھی رہتی۔ان کے یہاں کئی ایسے 'کھلنائک' نظر آتے ہیں جنھیں وقت اور حالات کی کسی مجبوری نے جرم کے راستے پر ڈھکیل دیا تھا۔ایسے موقع پر ابن صفی کا رویہ ہمدردانہ ہو جاتا ہے اور اسے اسلوب کا جادو کہیے یا جذبات کی شدت کہ ہر بار وہ قاری کو بھی اس احساس میں شریک کر لیتے ہیں۔

''اس شخص کے لیے میرا دل رو رہا ہے۔کاش اس کے انتقامی جذبے نے انفرادی رنگ اختیار کرنے کے بجائے ایسی تحریکوں کا ساتھ دیا ہوتا جو ظلم اور جبر کے نظام کو مٹا دینے کے لیے کام کر رہی ہیں۔''

(دہشت گر)

''رقیہ اگر خودکشی کرنے میں کامیاب ہو گئی ہوتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔اف، وہ اپنی مرضی سے مر بھی نہ سکی۔معلوم نہیں وہ کب سے ان کے اشاروں پر ناچتی چلی آ رہی تھی اور اس کی موت بھی انھیں کی مرضی کی پابند رہی۔کیا یہ معمولی ٹریجڈی ہے۔'' (خطرناک بوڑھا)

عام خیال ہے کہ جرم کے راستے پر بڑھ جانے والے قدم چاہ کر بھی لوٹ نہیں سکتے، لیکن ابن صفی نے اپنی تحریروں سے اس خیال کو بار بار توڑنے کی کوشش کی ہے۔ان کا ناول 'دشمنوں کا شہر' اس کی بہترین مثال ہے۔جہاں ایک عادی مجرم نادر نہ صرف جرائم سے توبہ کر لیتا ہے بلکہ اس راہ میں حائل ہونے والے بدمعاشوں سے جوجھتے ہوئے انھیں قانون کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے۔اسی طرح 'طوفان کی اغوا' کی نیلم، جو ایک اسمگلر کی بیٹی ہے، اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے قانون کے محافظوں کا ساتھ دیتی ہے اور ایک شاطر گینگ، ٹوٹتا ہے۔

ابن صفی انسان کی حرمت اور آزادی کے وکیل ہیں۔وہ قانون کی بالادستی کے قائل ہیں مگر ناقص قانون اور خراب سسٹم کے خلاف جمہوری احتجاج کی قدر بھی کرتے ہیں۔وقت ضرورت وہ لوگوں کو اس کے لیے للکارتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔

''اگر تم قانون کو ناقص سمجھتے ہو تو اجتماعی کوشش سے اسے بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔اگر اس کی ہمت نہیں ہے تو تمھیں اس قانون کا پابند رہنا پڑے گا اگر تم اجتماعی حیثیت سے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے متفق ہو۔'' (لاش کا بلاوا)

ابن صفی نے مقصدیت کے ڈھول تو نہیں پیٹے، لیکن ان کے ناولوں کو غور سے پڑھیے، اس میں ہم عصر سماج کا چہرہ بھی نظر آئے گا اور، آتے وقت کی چاپ بھی سنائی دے گی۔'موت کی آندھی' میں ان مجرموں کی کہانی ہے جو اپنی ایجاد اور اختراع کا سہارا لے کر، دنیا میں دہشت کا کھیل کھیل رہے ہیں۔ اول 'تاریک سائے' نسلی برتری کے جھوٹے احساس کو آئینہ دکھاتا ہے۔'جہنم کا شعلہ' فاشزم پر چوٹ کرتا

ہے۔ ابن صفی نے بے سمت سیاست اور بے ایمان لیڈروں کی بھی خبر لی ہے، کہیں اشاروں میں اور کہیں براہ راست۔

''ان کا طرز حکومت جمہوری کہلاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مغز چند آدمیوں کے حصے میں آئے اور ہڈیاں عوام کے سامنے ڈال دی جائیں۔ یہ اپنے مسائل طاقت سے ہی حل کرتے ہیں مگر اسے اشتراک باہمی کا نام دے دیتے ہیں۔ اس کے حاکم خود کو عوام کا نمایندہ کہتے ہیں۔ عوام ہی انھیں منتخب کرتے ہیں لیکن یہ ان کی مالی قوت ہی ہوتی ہے جو انھیں اقتدار کی کرسی تک پہنچاتی ہے۔ لیکن وہ اسے عوام کی قوت اور رائے عامہ کہتے ہیں حالانکہ رائے عامہ مالی قوت سے ہی خریدی جاتی ہے۔ انھیں منتخب ہونے کے لیے اپنے مخالفوں کے خلاف بڑے بڑے محاذ قائم کرنے پڑتے ہیں۔ ایک خطرناک جنگ شروع ہوتی ہے اور اسے رائے عامہ ہموار کرنا کہا جاتا ہے۔ اس میں بھی طاقت کی ہی کارفرمائی ہوتی ہے۔ آخر ایک آدمی مخالفوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے۔'' (تیسرا شعلہ)

''بس جمہوریت کے ڈھول پیٹے جاتے ہیں۔ شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ جمہوریت کس چڑیا کا نام ہے یا پھر اس کی طرف سے مصلحتاً آنکھیں ہی بند کر لی گئی ہیں۔۔۔ بنیادی چیز آدمی کو اپنے مقام کا عرفان ہے۔ جب تک آدمی اپنا مقام نہیں پہچانے گا کسی نظام کو ڈھنگ سے نہیں چلا سکے گا۔'' (دہشت گر)

''یہ کیا کہ ایک معمولی کلرک کو کلرکی کا امتحان دینا پڑے۔ ایک پولیس کانسٹبل، رنگروٹی کا دور گزارے بغیر کام سے نہ لگایا جائے، لیکن ترکاریوں کے آڑھتی، بے مرمت جاگیردار اور گاودی قسم کے تاجر براہ راست اسمبلیوں میں براہ راست قانون سازی فرمانے لگیں اور ان میں سے کچھ کابینہ کے ارکان بن جائیں۔۔۔ سوچنے کی بات ہے کہ نچلی سطح پر امتحان اور ٹریننگ کا چکر چلتا رہے اور اوپر جس کا دل چاہے پہنچ جائے۔ بس جیب بھاری ہونی چاہیے۔ کوئی امتحان نہ کوئی ٹریننگ۔'' (جنگل کی شہریت)

ابن صفی کے ناولوں میں عالمی محبت اور امن کا پیغام بھی چھپا ہوا ہے۔ انھوں نے ان بڑی طاقتوں کی بدنیتی اور سازشوں کو بھی بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے، جو اپنے فائدے کے لیے دنیا کے ساتھ کچھ بھی دغا کر سکتے ہیں۔ جو اپنا مال بیچنے کے لیے مجرمانہ طور پر بازار تیار کرتے ہیں۔

''آدمی کتنا گر سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔۔۔ دنیا کی بڑی طاقتیں جو اپنے اقتدار کے لیے رسہ کشی کر رہی ہیں، اس سے بھی زیادہ گر سکتی ہیں۔ ان کے بلند بانگ نعرے جو انسانیت کا بول بالا کرنے والے کہلاتے ہیں، زہر آلود ہیں۔'' (وبائی ہیجان)

''یہ ہمیں اس طرح کنگال بنا کر اپنا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے ایشیا اور افریقہ کے ساتھ یہی حرکت کی ہے۔ کسی کا غلہ غائب، کسی کا سونا غائب اور کسی کا کپڑا غائب اور پھر انھیں انتہائی فراخ دلی کے ساتھ اپنا پابند بنائے رکھنے کے لیے دل کھول کر مدد بھی دی ہے۔ ایک طرف انھیں لوٹا اور دوسرے

دروازے سے سخی داتا بن کر آ گئے۔''

(نیلی روشنی)

ابن صفی نے سپر پاور کے اندھے جنون اور جوہری اسلحوں کی ہوڑ پر بھی جا بجا چوٹ کی ہے۔

'یورونیم'! فریدی مسکرا کر بولا۔'وہ دھات جو ایٹم بم بنانے کے کام آتی ہے۔''

''مگر۔مگر''

''یہ دھات ہمارے یہاں بھی موجود ہے۔'' فریدی نے کہا،''اور ان کا ایک ملک ایک عرصے سے اس پر دانت لگائے ہوئے ہے، لیکن ہماری حکومت نے صاف انکار کر دیا۔اس کے لیے انھوں نے دوسری چال چلی۔مٹی کا تیل نکالنے کا ڈھونگ رچایا۔تقریباً چھ ماہ سے کھدائی کا کام کر رہے ہیں، لیکن آج تک اک قطرہ بھی نہ نکال سکے۔''

---فریدی بولتا رہا۔''لیکن یاد رکھو ہمارا یورونیم تخریبی کاموں کے لیے نہیں ہے۔تمھاری منصوبہ بندیاں خاک میں ملا دی جائیں گی۔ہم دنیا میں امن چاہتے ہیں، کسی جنگ باز کا آلۂ کار نہیں بن سکتے۔''

(نیلی روشنی)

''ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کے تجربات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ جب ایک آدمی پاگل ہو جاتا ہے تو اسے پاگل خانے میں بند کر دیتے ہیں اور جب پوری قوم پاگل ہو جاتی ہے تو طاقتور کہلانے لگتی ہے۔''

(انوکھے رقاص)

ابن صفی کے ناولوں میں ایسے تمام جواہر پارے بکھرے ہوئے ہیں۔انھوں نے زندگی اور سماج کے سیاہ پہلوؤں پر بے باک تبصرے کیے ہیں۔ان کے ناول اخلاق کی کسوٹی پر بھی کھرے اترتے ہیں۔ انھوں نے مغربی ناولوں کی عام روش کے برخلاف بیجا مار دھاڑ اور سیکس سے پرہیز کیا ہے۔ان کے ناول ایسے صاف ستھرے ہیں، جنھیں پورا کنبہ ایک ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ان کے ہیرو، جدید طرز زندگی میں رچے بسے ہیں، کلبوں اور ہوٹلوں میں ان کا روز کا آنا جانا ہے، لیکن ان میں کوئی اخلاقی پستی نظر نہیں آتی۔ابن صفی کے ناول مشرقی، تہذیبی قدروں کے قائل اور ترجمان ہیں۔

لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ ابن صفی کو ان کا جائز ادبی مقام دینے کے بجائے، ان کے سدا بہار ناولوں پر کو 'پاپولر' کا ٹھپہ لگا کر ادب کی اصل دھارا سے الگ تھلگ کر دینے کی کوششیں کی گئیں۔ان کی کہانیوں کو 'فراری' اور نہ جانے کیا کیا کہا گیا۔ان کی مقصدیت پر سوال کھڑے کیے گئے۔ابن صفی نے اپنے ایک مضمون 'میں کیوں لکھتا ہوں' میں ان تمام سوالوں کا مدلل جواب دیا ہے۔

''میری کہانیاں مقصدی ہی ہوتی ہیں۔۔۔حیات اور کائنات کا کون سا ایسا مسئلہ ہے جسے میں نے اپنی کسی نہ کسی کتاب میں نہیں چھیڑا ہو، لیکن میرا طریق کار ہمیشہ عام روش سے الگ تھلگ رہا ہے۔۔۔ افسانوی ادب خواہ کسی پائے کا ہو محض ذہنی فرار کا ذریعہ ہوتا ہے۔کسی نہ کسی قسم کی تفریح فراہم کرنا ہی اس

کا مقصد ہوتا ہے۔ جس طرح فٹ بال کا کھلاڑی شطرنج سے نہیں بہل سکتا، اسی طرح ہماری سوسائٹی کے بھی ایک بڑے حصے کے لیے اعلا ترین افسانوی قطعی بے معنی ہے۔ تو پھر میں گنے چنے ڈرائنگ روموں کے لیے کیوں لکھوں؟ میں اس انداز میں کیوں نہ لکھوں جسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ شاید اسی بہانے عوام تک کچھ اونچی باتیں پہنچ جائیں۔۔۔۔ یہ میرا مشن ہے کہ آدمی قانون کا احترام کرنا سیکھے۔ جاسوسی ناول کی راہ میں نے اسی لیے منتخب کی تھی۔ تھکے ہارے ذہنوں کو تفریح بھی مہیا کرتا ہوں اور انھیں قانون کا احترام کرنا بھی سکھاتا ہوں۔'' (عالمی ڈائجسٹ ۱۹۷۰)

ابن صفی ایماندار ادیب تھے۔ زندگی کی حقیقتیں ان پر کھلی ہوئی تھیں۔ انھوں نے سماجی بیماریوں کی طرف انگلی ہی نہیں اٹھائی، بلکہ اپنے طور پر ان کے علاج کی جستجو بھی کی ہے۔ یہ جستجو ابن صفی کے ناولوں کی جان ہے اور پہچان بھی۔ ابن صفی کا پہلا ناول (دلیر مجرم) اب سے ۵۸ برس پہلے منظر عام پر آیا تھا۔ انھیں ہم سے بچھڑے ہوئے بھی تیس برس ہو گئے، لیکن ان کے ناولوں کی معنویت آج بھی برقرار ہے۔ ابن صفی، زندہ ہیں اپنی تحریروں میں۔ ہمارے ذہنوں میں۔ جب بھی جاسوسی ناولوں کا ذکر آئے گا۔ ابن صفی بھی ضرور یاد آئیں گے۔ ☆☆☆